اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

درود شریف

پڑھنے کا

شرعی طریقہ

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

مکتبہ صفدریہ [illegible]

﴿ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴾

"یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دُعا کرتے ہیں۔ سو اے
ایمان والو تم بھی اس پر درُود و سلام بھیجو۔"

زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند حق را بسجودے و نبی را بدرودے

درُود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ

جسمیں

قرآنِ کریم اور حدیث شریف سے درُود شریف، دُعا اور ذکر کی اہمیّت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور ٹھوس تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان سے پہلے اور بعد بلند آواز کے ساتھ درُود شریف پڑھنے کا خیر القرون میں کہیں وجُود نہ تھا بلکہ یہ آٹھویں صدی ہجری میں مصر کے بعض رافضیوں کی ایجاد کا چربہ ہے اور اس بدعت کے ثبوت پر بزعم خود فریق مخالف کے ایک مولوی صاحب نے جو دلائل پیش کئے ہیں انکا تانا بانا بھی عرض کر دیا گیا ہے کہ ان میں کوئی وزن نہیں ہے اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو سُنّت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

ناشر
مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

طبع : چہارم ... ... رمضان المبارک ۱۴۰۵ ہجری
تعداد اشاعت ۱۰۰۰
طابع و ناشر ... ... انجمن اسلامیہ گکھڑ
مطبوعہ ... ... عالمین پبلیکیشنز پریس لاہور
قیمت -/۵ روپے ...

ملنے کے پتے

ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مدنی کتب خانہ اردو بازار گوجرانوالہ

مکتبہ رشیدیہ غلہ منڈی ساہیوال

مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ ، کراچی

مکتبہ مدنیہ . عمران اکیڈمی

مکتبہ قاسمیہ ، اردو بازار ، لاہور

مکتبہ صدیقیہ حضرو ضلع اٹک

فہرستِ مضامین

پیش لفظ ۵

آخر زمانہ میں جھوٹی حدیثیں اور باتیں بکثرت ہونگی ان سے بچو۔ ۶

ہر سال لوگ نئی بدعت گھڑتے رہیں گے۔ ۷

بدعت کو سُنت کا درجہ دے دیا جائیگا ۸

آخر زمانہ میں جاہل عابد اور فاسق قاری پیدا ہوں گے ۹

بدعتی شخص اپنی ساکھ کیلئے بدعت گھڑیں گے ۱۰

بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ ۱۱

بدعتی شفاعت سے محروم ہوتا ہے۔ ۱۲

اگر نمازوں کے بعد بلند آواز سے دُعا کرنا عبادت ہوتی تو سب سے پہلے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے۔ ۱۳

بکثرت اللہ تعالےٰ کا ذکر کرنا کامیابی کا ضامن ہے۔ ۱۶

لڑائی کے موقع پر آواز بلند کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ ۱۶

قیامت کے دن ان لوگوں کا درجہ بلند ہوگا جو بکثرت ذکر کرتے ہیں۔ ۱۸

دُعا سے پیاری چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کوئی نہیں ۲۰

دُرود شریف کی بڑی فضیلت آئی ہے ۲۱/۲۲

ذکر کا طریقہ کہ وہ آہستہ مطلوب ہے قرآن کریم اور حدیث شریف ۲۳/۲۴

ائمہ اربعہؒ کا اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ ہونا چاہیئے ۲۵

ہاں تعلیم کی خاطر آواز بلند کرنا جُدا بات ہے، ۲۵

امام ابوحنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کو بدعت کہتے ہیں ۲۶

انکا استدلال قرآن کریم سے ہے کبیری و مظہری ۲۶

قیامت کی نشانیوں میں ہے، مسجدوں میں آواز بلند کرنا ۲۷

حالانکہ بعض علماء نے ذکر کو بھی مسجد میں باآواز بلند حرام کہا ہے ۔ ۲۷
حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ نہ تھا ۲۸
دعا بھی آہستہ ہونی چاہیئے فتاویٰ سراجیہ وغیرہ ۲۹
درود شریف جہر سے پڑھنا بدعت ہے ۔ حضرت ابن مسعودؓ ۳۰
اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کی بدعت ۷۹۱ھ میں مصر میں جاری ہوئی ۔ ۳۱
ایک جاہل صوفی اور ظالم حاکم کی وجہ سے یہ رائج ہوئی ۔ ۳۳
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں یہ نہ تھی، امام شعرانی رحؒ ۳۴
سلطان صلاح الدینؒ نے رافضیوں کی بدعت کو قانوناً ختم کرکے اسکو جاری کیا ۳۶
لیکن حدیث میں خلفاء راشدینؓ کو سنت کو لازم پکڑنے کا حکم آیا ہے نہ کہ سلطان عادل کی ۳۶
اس کے بدعت ہونے پر امام ابن حجر مکیؒ کا حوالہ ۳۷
یہ کارروائی بلادلیل ہے، اور اس سے منع کرنا چاہیئے ۴۰
شریعت کے مطلق احکام میں قید لگانا درست نہیں ۴۱
ذکر آہستہ بہتر ہے حدیث شریف ۴۲
امام سخاویؒ نے اذان سے قبل و بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے پر اختلاف علماء ذکر کیا ہے ۴۴
امام سخاویؒ وغیرہ کا اس کو بدعت حسنہ کہنا بلا دلیل ہے ۴۵
اہل السنۃ والجماعۃ کی تعریف حافظ ابن کثیرؒ سے ۴۶
فرقہ ناجیہ کون ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے ۴۷
فرقہ غیر ناجیہ کون ہے؟ ۴۷

پیش لفظ

(طبع سوم)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۝

اَمَّا بَعْدُ:—

جُوں جُوں زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور قرونِ مشہود لہا بالخیر سے دُور ہوتا جا رہا ہے، وُوں وُوں امورِ دین اور سُنّت میں رخنے پڑتے جا رہے ہیں۔ ہر گروہ اور ہر شخص اپنے من مانے نظریات و افکار کو خالص دین بنانے پر تُلا ہوا ہے، اور تمام نفسانی خواہشات اور طبعی میلانات کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دین اور سُنّت ثابت کرنے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے اِلّا مَنْ شَاءَ اللہ اور ایسی ایسی باتیں دین اور کارِ ثواب قرار دی جا رہی

ہیں کہ سلفِ صالحینؒ کے وہم و گمان میں بھی وہ نہ ہونگی حالانکہ دین صرف وہی ہے جو ان حضرات سے ثابت ہوا ہے اور انہی کے دامنِ تحقیق سے وابستہ رہنے میں نجات منحصر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس طرح شرک و بدعت کی تردید فرمائی ہے، اتنی تردید کسی اور چیز کی نہیں فرمائی اور تمام بدعات اور مخترعات سے باز رہنے کی سختی سے تاکید فرمائی ہے اور خصوصاً وہ بدعات جو قیامت کے قریب رونما ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

يكون في آخر الزمان دجّالون كذّابون يأتونكم من الاحاديث بما لم تسمعوا انتم ولا آباءكم فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم (مسلم جلد ا صـ ۱ ومشکوٰۃ جلد ا صـ ۲۸)

آخر زمانہ میں کچھ ایسے دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں اور باتیں پیش کریں گے جو نہ تو تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمہارے آبا و اجداد نے۔ پس تم ان سے بچو اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دو تاکہ وہ تمہیں نہ تو گمراہ کر سکیں اور نہ فتنے میں ڈال سکیں۔

اور اُن کی ایک روایت میں ہے :-

یأتونکم ببدع من الحدیث الحدیث (البدع والنہی عنہا ص۲۷)	کہ تمہارے پاس وہ گھڑ گھڑ کر حدیثیں پیش کریں گے یا بدعات کا وجود حدیث سے ثابت کریں گے۔

اہلِ بدعت کے جتنے فرقے ہیں وہ اپنے مزعوم افعال کی بنیاد ایسی بے سروپا احادیث پر رکھتے ہیں جن کا معتبر کتب حدیث میں کوئی وجود نہیں اور اگر کہیں ہے بھی تو محدثین نے ان کو ضعیف اور معلول قرار دیا ہوتا ہے اور اہل بدعت ایسی ایسی بدعات آئے دن نکالتے رہتے ہیں کہ پہلے ان سے کوئی شناسا نہ تھا اور جیسے جیسے قیامت نزدیک آتی رہے گی، نئی نئی بدعات جنم لیتی رہیں گی اور سنّت مظلومہ اٹھتی چلی جائے گی - فوا اسفاً۔

حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ فرماتے ہیں کہ :-

ما یأتی علی الناس من عام الا احدثوا فیہ بدعۃ واماتوا فیہ سُنتہ حتی تحیٰی البدع وتموت السنن (البدع والنہی عنہا ص۳۸)	جو نیا سال لوگوں پر آئے گا اس میں وہ کوئی نہ کوئی نئی بدعت گھڑیں گے اور سُنّت کو مٹا دیں گے حتیٰ کہ بدعتیں زندہ کی جائیں گی اور سُنّتیں مٹ جائیں گی۔

للامام محمد بن وضاح القرطبی الاندلسی رح
المتوفی سنہ ۲۸۶ھ طبع مصر)

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔ اور یہ جو کچھ فرمایا بالکل بجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:-

کیف انتم اذا البستکم فتنۃ یربو فیہا الصغیر ویھرم فیہا الکبیر وتتخذ سنۃ یجری علیہا فاذا غیر منہا شئی قیل غیرت السنۃ قیل متی ذلک یا ابا عبدالرحمٰن فقال اذا کثر قراؤکم وقل فقہاءکم وکثر اموالکم وقل امناءکم والتمست الدنیا بعمل الآخرۃ وتفقہ لغیر الدین (البدع والنہی عنہا ص ۸۹)

تمھاری کیا حالت ہو گی جبکہ تم پر فتنہ چھا جائے گا۔ اس فتنہ میں بچے بڑے ہوں گے اور عمر رسیدہ بوڑھے ہو جائیں گے اور اپنی طرف سے ایک سُنّت گھڑی جائیگی جس پر عمل ہوتا رہے گا۔ جب اس کو بدلنے کی کوشش ہو گی تو کہا جائیگا، ہائے سُنّت بدل دی دریافت کیا گیا اے ابو عبدالرحمٰنؓ یہ کب ہو گا؟ فرمایا کہ جب تمھارے قاری زیادہ ہو جائیں گے اور فقیہہ کم ہوں گے اور مال زیادہ ہو گا اور امین کم ہوں گے اور آخرت کے عمل کے بدلہ

میں دُنیا طلب کی جائیگی اور دین کا علم محض دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ (یا دین کے علاوہ اور فنون میں مہارت پیدا کی جائے گی)۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ :-

یکون فی آخر الزمان عُبّادٌ جُہّالٌ وقُرّاءٌ فسقۃ (حل ک. صحیح) | آخر زمانہ میں جاہل عابد ہوں گے اور فاسق قاری ہوں گے۔

(الجامع الصغیر جلد۲ صت ۲۰۶ طبع مصر)

ظاہر بات ہے کہ جب عبادت کا شوق ہوگا اور علم نہ ہوگا، تو من مانی عبادات تراشیں گے اور بدعات گھڑیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت حکماً مرفوع ہے اور اس میں بدعت کے بعض اسباب کا خوب نقشہ کھینچا گیا ہے۔ حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

تکون فتنۃ یکثر فیہا المال و یفتح فیہا القرآن حتی یقرأہ المومن والمنافق والرجل و المرأۃ والصغیر والکبیر فیقرأہ | ایسا فتنہ برپا ہوگا جس میں مال زیادہ ہو جائے گا اور قرآن اس میں کھول کر پڑھا جائے گا۔ یہاں تک کہ مومن و منافق اور عورت و مرد اور

الرجل سرًّا فلا یتبع فیقول ما اتبع فواللہ لا قرأنہ علانیۃ فیقرأہ علانیۃ فلا یتبع فیتخذ مسجدًا ویبتدع کلاما لیس من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فایاکم وایاہ فانہا بدعۃ ضلالۃ فایاکم وایاہ فانہا بدعۃ ضلالۃ فایاکم وایاہ فانہا بدعۃ ضلالۃ ثلاثا۔

(البدع والنہی عنہا ص۲۶)

چھوٹے اور بڑے تقریباً سبھی قرآن پڑھیں گے۔ سو ان میں ایک شخص آہستہ قرآن پڑھے گا تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ کیوں میری بات نہیں مانی جاتی بخدا میں بلند آواز سے قرآن پڑھوں گا تو وہ چلّا چلّا کر قرآن پڑھے گا پھر بھی لوگ اس کی طرف مائل نہ ہوں گے تو وہ الگ مسجد بنائے گا۔ اور ایسی ایسی بدعت کی باتیں ایجاد کرے گا کہ قرآن و سنت میں نہ ہوں گی تو تم اس سے بچو۔ اور اس کو اپنے نزدیک نہ آنے دو کیونکہ اس کی یہ کارروائی بدعت ضلالہ ہوگی۔ تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے۔

اور یہ روایت ان سے ان الفاظ سے بھی مروی ہے :۔

فیوشک ان یقول قائل ما — قریب ہوگا کہ کہنے والا کہے گا کہ

للناس لايتبعونی وقد قرأت القرآن؟ ماھم بمتبعی حتّٰی ابتدع لھم غیرہ فایاکم وما ابتدع فان ما ابتدع ضلالۃ
(ابوداؤد جلد۲ صـ۲۷۶)

لوگ میری طرف مائل نہیں ہوتے حالانکہ میں بھی قرآن پڑھتا ہوں؟ کیوں یہ لوگ میری پیروی نہیں کرتے؟ یہاں تک کہ وہ ان کے لئے بدعت گھڑے گا۔ تاکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔ سو تم اس کی بدعت سے بچنا۔ کیونکہ اس کی کارروائی نری بدعت ضلالہ ہوگی۔

الغرض بدعت اور بدعتی سے بچنے کی اشد تاکید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور بدعت کی ایسی نحوست پڑتی ہے کہ دنیا میں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شفاعت سے محرومی ہوتی ہے (العیاذ باللہ، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ان اللّٰہ حجز التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ (البدع والنہی

بیشک اللہ تعالےٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

عنہا ص۵ و مجمع الزوائد جلد ۱ ص ۱۰)

ایک تو بدعت کی نحوست سے دل کی بصیرت اور نیکی کی استعداد مفقود ہو جاتی ہے اور دوسرے جب بدعتی بدعت کو دین اور کارِ ثواب سمجھے گا تو توبہ کیوں کرے گا؟

حضرت بکر بن عبداللہ المزنی رح سے روایت ہے کہ:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حلت شفاعتی لامتی الا صاحب بدعۃ (البدع والنہی عنہا ص۳۶)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری ساری امت کے لئے ثابت ہو گی، مگر بدعتی کے لئے نہیں ہو گی۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لئے تو آپ کی شفاعت ہو گی لیکن بدعتی کے لئے نہیں ہو گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں بدعت کبیرہ گناہ سے بھی بدتر ہے، اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو تمام گناہوں سے اور خصوصاً شرک و بدعت سے محفوظ رکھے۔ بدعت تو بہت ہیں لیکن چند سالوں میں پاکستان میں جو بدعت وبا کی طرح پھیل گئی ہے وہ مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ، اذانوں سے قبل اور بعد چلا چلا کر درود شریف پڑھنے اور نمازوں کے بعد

جہر سے دُعا کرنے کی بدعت ہے، جس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ علامہ ابو اسحاق ابراہیم بن موسےٰ الشاطبی الغرناطی رح المتوفیٰ ۷۹۰ھ لکھتے ہیں کہ :-

لوکان الاجتماع للدعاء اثر الصلوٰة جهرًا للحاضرين من باب البر والتقوىٰ لكان اوّل سابق اليه لكنه لم يفعله اصلاً ولا احد بعده حتى حدث ما حدث اھ (الاعتصام جلد ۱ ص ۳۰۲ طبع مصر)	اگر نماز کے بعد اجتماعی صورت میں بلند آواز سے دُعا کرنا نیکی اور تقوےٰ کے باب سے ہوتا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو سب سے پہلے کرتے لیکن آپ نے ہرگز یہ کارروائی نہیں کی اور نہ آپ کے بعد (خیر القرون میں)، کسی نے کی ہے، یہاں تک کہ اب یہ بدعت ظہور پذیر ہوئی ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

واما ارتفاع الاصوات فی المساجد فناشئ عن بدعة الجدال فی الدین اھ (الاعتصام جلد ۲ ص ۹۷)	بہرحال مسجدوں میں چلا چلا کر آوازیں بلند کرنا تو یہ محض دین کے نام پر جھگڑے اور تعصب کے لئے ایجاد کیا گیا ہے۔

اہلِ بدعت حضرات کی طرف سے مسجدوں میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے اور جہر سے ذکر کرنے کے بارے میں ایک اشتہار شائع ہوا تھا جو گوجرانوالہ کے ایک خطیب صاحب نے شائع کیا تھا۔ اسکا نہایت محقق خالص علمی اور ٹھوس جواب ہمارے محترم دوست حضرت مولانا حافظ محمد سعید صاحب ارشد گجراتی کی کوشش اور سعی سے ایک بڑے اشتہار کی شکل میں طبع ہوا تھا، لیکن اس کا مواد زیادہ تھا۔ ہر آدمی اس کو آسانی سے نہیں پڑھ سکتا تھا۔ پھر اس کا خط اور کاغذ بھی معیاری نہ تھا۔ اب انجمن اسلامیہ گکھڑ اس کو کتابی شکل میں طبع کرا رہی ہے تاکہ عوام کو اس سے پورا فائدہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ فاضل مرتب سے بعض حوالوں میں اغلاط صادر ہوئے تھے اب حتی الوسع ان کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ تاہم اکثر انسان خطا سے معصوم نہیں ہیں علمی رنگ میں اغلاط کی نشاندہی کرنے والے دوستوں کا شکریہ ادا کیا جائے گا (انشاء اللہ العزیز) اور غلط غبارہ اڑانے والوں کا اس جہان میں کوئی علاج ہی نہیں، اس کا پتہ مرنے کے بعد چلے گا۔ انشاء اللہ وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

احقر ناس: ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ۔

شعبان ۱۳۸۸ھ
نومبر ۱۹۶۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؛

اما بعد:-

جملہ اہلِ اسلام کے نزدیک یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی یاد اور اسی ہی سے اپنی تمام ضروریات مانگنا اور طلب کرنا نہ صرف یہ کہ اس کی محبت اور تقرب اور تعظیم کا ذریعہ ہے بلکہ ایک بہت بڑی عبادت بلکہ عبادت کا نچوڑ ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف میں ذکر اور دعا کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر یہ نظریہ آج تک چلا آرہا ہے اور امت مرحومہ کے علماء حقانی شیوخِ ربانی اور اہلِ اسلام ہمہ تن ذکر الٰہی میں مصروف چلے آرہے ہیں اور اب بھی بفضلہ تعالیٰ اس کے ذکر اور دعا کو دینی اور دنیوی کامیابیوں کا راز سمجھا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان اس میں ذرہ بھر تامل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہے اور ہر مسلمان اس کو نجاتِ اخروی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نصوصِ قطعیہ

کے پیشِ نظر ایسا سمجھنا بالکل صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ	اے ایمان والو جب تم (میدانِ جنگ
فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ	میں) فوج سے لڑو تو ثابت قدم رہو
کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ
(پ۱۰۔ سورۃ الانفال رکوع ۶)	تم کامیاب رہو۔

یعنی تمہاری فلاح اور کامیابی کا سب سے بڑا راز ہی اللہ تعالےٰ کے ذکر اور اس کی یاد میں مضمر ہے اور جس کثرت سے تم اس کو یاد کرو گے تم پر رحمت کے دروازے کھلتے جائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تقدس کے ساتھ جہاد اور لڑائی کرتے وقت بکثرت اللہ تعالےٰ کو یاد کرنا ایک محبوب عمل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی لڑائی کے موقع پر آواز بلند کرنے کو پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رض فرماتے ہیں کہ:-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
وآلہٖ وسلم کان یکرہ الصوت	لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے
عند القتال (مستدرک جلد ۲	کو مکروہ سمجھتے تھے۔
ص ۱۱۶ قال الحاکم والذھبی صحیح)	

اور حضرت قیس بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ :-

كان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یکرھون الصوت عند القتال۔ (مستدرک جلد ۲ ص ۱۱۶ سکت عنہ الحاکم وقال الذہبی ھذا اصح)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ لڑائی کے وقت آواز بلند کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے

اس سے ثابت ہوا کہ لڑائی کے وقت بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو مگر آہستہ (نعرۂ تکبیر کا مسئلہ الگ ہے) اور قرآن کریم میں بے شمار مقامات میں ذکر کی فضیلت آئی ہے اور ذکر کرنے والوں کو بشارت اور مژدہ سنایا گیا ہے اور عقلمندوں کی یہ علامت بتائی گئی ہے -

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ الآیۃ (پ ۴، العمران رکوع ۲۰)

کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

یعنی کسی حالت میں بھی وہ یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتے، اور ان کا سب سے لذیذ مشغلہ ہی ذکر الٰہی ہوتا ہے اور ان کی زبان ہر وقت اس کے ذکر اور یاد میں سرگرم عمل رہتی ہے۔ احادیث میں ذکر اللہ کی ایسی تاکید اور اتنی فضیلت آئی

ہے کہ اس کے بیان کے لئے عمرِ نوحؑ اور دفتر کے دفتر درکار ہیں، جن محدثین کرامؒ نے ذکر کی فضیلت پر الگ اور مستقل کتابیں لکھی ہیں ان کا قصہ ہی چھوڑیئے۔ صحاح ستہ ہی میں جو حدیثیں آئی ہیں وہ بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے لئے بھی سفینوں کے سفینے درکار ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں یوں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (متفق علیہ مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۶)

جو شخص اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اُس کی مثال مُردہ کی ہے۔

اور ایک حدیث میں یوں آتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا :-

اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتُ (الحدیث) مسند احمد ترمذی مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۸)

کہ قیامت کے دن بندوں میں کس کی فضیلت زیادہ اور کس کا درجہ بلند ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو مرد اور عورتیں اللہ تعالےٰ کو زیادہ یاد کرتے ہیں۔

اور ایک حدیث میں اس طرح وارد ہوا ہے۔ آنحضرت
[صلی] اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دریافت کیا گیا:۔

[أ]یُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ	کہ افضل ترین عمل کونسا ہے؟
[تُفَ]ارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُكَ	آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس
[رَ]طْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔	حالت میں دُنیا سے جدا ہو کہ
[م]سند احمد و ترمذی۔ مشکوٰۃ جلد صفحہ ۱۹۸	تمھاری زبان اللہ تعالےٰ کے
	ذکر سے تر ہو۔

غرضیکہ بکثرت روایات ذکر اور یاد الٰہی کی فضیلت
[میں] وارد ہوئی ہیں۔

[د]عا:۔

جس طرح اللہ تعالےٰ کا ذکر عبادت ہے، اسی طرح
[دعا] کرنا اور اللہ تعالےٰ سے مانگنا بھی بڑی عبادت ہے
[چن]انچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ	اور کہا تمھارے رب نے مجھ کو
لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ	پکارو کہ پہنچوں میں تمھاری پکار
یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ	کو، بیشک جو لوگ تکبّر کرتے ہیں
سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ۔	میری عبادت (پکار) سے وہ عنقریب داخل

(پ ۲۴-المومن-رکوع ۶). ہونگے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ دعا کرنے اور اللہ تعالےٰ سے مانگنے اور سوال کرنے سے گریز کرتے ہیں تو وہ جہنّم کے سزاوار ہیں اس سے بڑھ کر دعا اور پکار کی اور کیا تاکید ہو سکتی ہے؟ اور کتب حدیث میں بے شمار حدیثیں دعا کی مزیت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ ایک حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ:-

اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۴) اللہ تعالےٰ سے دعا کرنا اور مانگنا عبادت کا خلاصہ ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ:-

لَيْسَ شَئٌ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَآءِ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۹۴)۔ کہ دعا سے زیادہ پیاری اور محبوب چیز اللہ تعالےٰ کے نزدیک اور کوئی نہیں ہے۔

بلکہ ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ:-

مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳) جو شخص اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آتا ہے کہ:-

مَنْ لَّا يَدْعُوا اللّٰهَ يَغْضَبْ جو اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا تو وہ

عَلَيۡهِ (مستدرک جلد ۱ صـ۴۹۱) ، اس سے ناراض ہوتا ہے۔

کیونکہ خزانے صرف اسی کے پاس ہیں تو جو شخص اس قادرِ مطلق کے خزانے اور اس کا در چھوڑ کر کہیں اور ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے تو وہ اس سے یقیناً ناراض ہوتا ہے کہ وہ قادر کو چھوڑ کر عاجز کے پیچھے بھاگتا ہے۔

دُرُود شریف :

جس طرح ذکر اور دُعا عبادت ہے اسی طرح درُودِ شریف بھی ایک عمدہ ترین عبادت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۔ (پ۲۲۔ الاحزاب رکوع ۷) ۔

بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں رسول پر ، (السے) اے مومنو! تم بھی صلوٰۃ بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

صلوٰۃ کی اضافت جب اللہ تعالےٰ کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے اور جب فرشتوں کی طرف اضافت ہوتی ہے تو اس سے مراد دُعاءِ رحمت ہے۔ اِسی

طرح مومنوں کی طرف بھی صلوٰۃ کی اضافت طلبِ رحمت کے معنی میں ہے یعنی خداوند تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے اور آپ کی ثنا اور اعزاز و اکرام کرتا ہے اور فرشتے بھی طلبِ رحمت کی دُعا کرتے ہیں سو تم بھی آپ کے لئے اللہ تعالےٰ سے رحمت کے نزول کی دُعا کرو اور حدیث شریف میں درُود شریف کی جو شان اور درجہ بیان ہُوا ہے وہ احصاء و شمار سے باہر ہے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ :-

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا (مسلم جلد۱ ص۱۷۵ مشکوٰۃ جلد۱ ص۸۶)	جس نے مجھ پر ایک دفعہ درُود شریف پڑھا تو اللہ تعالےٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔

اور ایک حدیث میں اس طرح وارد ہُوا ہے کہ :-

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحَطَّ عَنْہُ عَشْرَ خَطِیْئَاتٍ (مستدرک جلد۱ ص۵۵۰ صحیح)	جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھا تو اللہ تعالےٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں اور اس کے دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔

اور ایک حدیث شریف میں اس طرح آتا ہے کہ :-

مَا جَلَسَ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ	جو قوم اللہ تعالےٰ کے ذکر کے لئے

لَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا كَانَ ذٰلِكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ تِرَةً۔ الحدیث (مستدرک جلد ۱ ص ۵۵ صحیح و مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۸)

بیٹھی ہو اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا ہو تو وہ مجلس اس کے لئے باعث وبال ہوگی۔

الغرض درود شریف کی بڑی ہی تاکید اور فضیلت آئی ہے کیا ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ذکر اللہ اور درود شریف کے پاک الفاظ سے ہر وقت اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہیں اور تقرّبِ خداوندی کے زینوں پر دم بدم چڑھتے رہتے ہیں۔

ذِکر کا طریقہ۔

قرآن کریم صحیح احادیث اور جمہور اُمّت کے متفقہ فیصلہ سے یہ ثابت ہے کہ ذکر آہستہ، عاجزی اور انکساری کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۔

اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دِل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو صبح کے وقت اور شام

کے وقت اور نہ ہو غافلوں میں سے۔
(پ۹ ۔ الاعراف ۔ رکوع ۲۴)

اس آیت کریمہ سے روز روشن کی طرح یہ معلوم ہوا کہ ذکر دل میں کرنا چاہیئے اور جہر کے ساتھ ذکر کو ربّ العزّت نے پسند نہیں فرمایا اِلّا یہ کہ خود شریعت سے کسی خاص موقع پر ثابت ہو اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک موقع پر بلند آواز سے ذکر کیا تو آپ نے ان کو اس سے منع کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ :۔

اَیُّهَا النَّاسُ اِرْبَعُوا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبَ اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا وَهُوَ مَعَکُمْ۔	اے لوگو! اپنی جان پر نرمی کرو تم اس ذات کو تو نہیں پکار رہے ہو جو بہری اور غائب ہو (بلکہ) تم تو سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ ہے ۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰۵ و مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۶ واللفظ لہ)

یہ حدیث بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذکر بالجہر کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے پسند نہیں فرمایا ۔ امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :۔

ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع

حاجة الی رفعه۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۲۲۶

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب بلند آواز کے
ساتھ ذکر کرنے کا کوئی داعیہ پیش نہ آئے تو آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر
ہے۔ اور چاروں امام (حضرت امام ابو حنیفہ رح، حضرت
امام مالک رح، حضرت امام شافعی رح اور حضرت امام احمد بن حنبل رح
اور ان کے متبعین اس بات پر متفق ہیں کہ ذکر آہستہ ہی بہتر
ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رح وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ :-

وقال ابن بطالؒ المذاهب الاربعة علی عدمِ استحبابه

(البدایه والنهایه جلد ۱۰ ص ۲۷۰ وهامش بخاری جلد ۱ ص ۱۱۷) امام ابن
بطال رح نے فرمایا کہ چاروں مذہب اس پر متفق ہیں کہ جہر سے ذکر
کرنا مستحب نہیں ہے۔ یہ حوالہ بالکل واضح ہے اور حافظ
ابن حجر رح لکھتے ہیں :-

والمختار ان الامام والماموم یخفیان الذکر الا اذا احتیج الی التعلیم (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۵۹)

کہ مختار امر صرف یہی ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ ذکر کریں ہاں مگر جب کہ تعلیم کی ضرورت پیش آئے تو جدا بات ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رح ذکر کے متعلق ضابطہ بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں کہ :-

ولابی حنیفۃؒ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر فی قولہ تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ اِلَّا ماخُصَّ بالاجماع (کبیری ص۵۶۶)

کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مخالف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو بے شک وہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں البتہ وہ ذکر جس کا جہر اجماع سے ثابت ہو۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ :-

ثم اجمع العلماء علی ان الذکر سرًا ھو الافضل والجھر بالذکر بدعۃ الا فی مواضع مخصوصۃ مست الحاجۃ فیھا الی الجھر بہ کالاذان والاقامۃ وتکبیرات التشریق وتکبیرات

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آہستہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے مگر ان مقامات پر جہاں جہر کی (شرعی) ضرورت پیش آئے مثلاً اذان اور اقامت اور ایام تشریق (یعنی بڑی عید کے

الانتقالات فی الصلوٰۃ للامام والتسبیح للمقتدی اذا ناب نائبۃ والتلبیۃ فی الحج و نحو ذلک (تفسیر مظہری جلد ۳ ص۳۹۴)

(دنوں کی تکبیریں) اور امام کے لئے نماز میں رکوع اور سجود وغیرہ کی طرف انتقال کی تکبیریں یا امام بھول جائے تو مقتدی کو سبحان اللہ کہنا یا حج کے موقع پر لبیک کو بلند آواز سے پڑھنا وغیرہ۔

اور حدیث شریف میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے کہ :-

وظہرت الاصوات فی المساجد (ترمذی۔ مشکوٰۃ جلد ۲ ص۴۷۰)۔

مسجدوں میں آوازیں بلند اور ظاہر ہوں گی۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاری رح لکھتے ہیں کہ :-

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام (مرقات جلد ۵ ص۱۷۷)

ہمارے بعض علماء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو، حرام ہے۔

تعجب اور حیرت ہے کہ اپنے کو حنفی کہلانے والے قرآن و حدیث سے قطع نظر فقہاء احناف رح کی تصریحات کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور گلے پھاڑ پھاڑ کر مسجدوں کی بے حرمتی کرتے کرتے ہیں اور پھر بھی حنفی بنے ہوئے ہیں اور اس پر ثواب کے اُمیدوار ہیں۔ حضرت ملا علی القاریؒ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سادہ اور سنت کے مطابق زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے (اقلہا تکلفاً کی شرح میں) یہ بھی لکھا ہے کہ:

ولا یتحلقون للاذکار والصلوات برفع الصوت فی المساجد ولا فی بیوتہم (مرقات)	وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے۔

دُعا:-

اگرچہ ذکر اور دُعا کا مآل ایک ہی ہے لیکن لفظی فرق کے پیش نظر دُعا کا شرعی طریقہ بھی سُن لیجئے۔ ابھی قرآن کریم کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ اپنے رب کو عاجزی سے آہستہ پکارو امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:-

اما الدعاء فیسرہ بلاخلاف	اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں

(شرح مسلم جلد ا صفحہ ۲۳۱) کہ دعا آہستہ کرنی چاہیئے۔

اور امام سراج الدین الحنفیؒ اور ملا علی بن قاریؒ لکھتے ہیں کہ:

یستحب فی الدعاء الاخفاء و رفع الصوت بالدعاء بدعة (فتاوی سراجیہ ص ۲۷ وموضوعات کبیر ص ۱) | دعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ آہستہ کی جائے اور بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ امام حسن بصریؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ:۔

ان رفع الصوت بالدعاء بدعة (بلاغ المبین ص ۹۲) | بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے۔

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ذکر اور دعا بلند آواز سے بدعت ہے۔

درود شریف

عرض کیا جا چکا ہے کہ درود شریف کا پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت اور تقرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اسی طریق سے جس طرح کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے ہاں اور خیر القرون میں پڑھا جاتا تھا نہ تو درود شریف کے حلقے باندھے جاتے

تھے اور نہ بلند آواز سے پڑھا جاتا تھا جیسا کہ مرقات کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور فقہ حنفی کی مستند کتاب میں ذکر بالجہر کے بارے میں لکھا ہے :-

عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھراً وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔

(شامی جلد ۵ ص۳۵۰)

قاضی صاحبؒ کے فتاوی میں ہے کہ ذکر بالجہر حرام ہے کیونکہ صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے اسلئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ اور درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تو تمھیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں۔

دیکھئے کہ جلیل القدر صحابی نے جو کوفہ کے گورنر تھے بلند آواز سے ذکر کرنے والوں اور بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا تھا اور فرمایا کہ تم بدعتی ہو۔ اگر اس فعل کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو موصوف ایسا کبھی نہ کرتے حیرت ہے کہ اس وقت پڑھنے والے بھی ہوتے تھے۔ درود شریف بھی

تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ عشق و محبت بھی بدرجۂ اتم تھی مگر گلے پھاڑ پھاڑ کر درُود شریف پڑھنے کا نہ صرف یہ کہ تصوّر ہی نہ تھا بلکہ وہ اس کو بدعت اور پڑھنے والوں کو بدعتی سمجھتے تھے اور مسجدوں سے نکال دیا کرتے تھے۔ جب اس وقت بلند آواز کے ساتھ درُود شریف پڑھنا کارِ ثواب نہ تھا تو آج کیوں یہ کارِ ثواب ہو گیا ہے؟ کیا اہلِ بدعت پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ (معاذ اللہ)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد تو یہ ہے کہ نجات صرف اس فرقہ کو ہوگی جو ما انا علیہ و اصحابی (جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں) پر گامزن ہوگا۔ اہلِ بدعت سوچ لیں کہ وہ کس راستہ پر چل رہے ہیں۔ سچ ہے کہ ؏

کیں راہ کہ تو میروی بترکستان است

اذان کے بعد بلند آواز کے ساتھ درُود شریف پڑھنے کی بدعت

یہ ایک بیّن حقیقت ہے کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد بلند آواز سے درُود شریف پڑھنے کا رواج نہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں تھا اور نہ خلفاء

راشدین اور صحابہ کرام رض کے دور میں تھا اور نہ خیر القرون میں کوئی شخص اس بدعت سے واقف تھا اور نہ ائمہ اربعہ رح میں سے کسی بزرگ نے یہ کارروائی کی اور نہ اس کا فتویٰ دیا، بلکہ تقریباً سات سو نوے ہجری تک کسی بھی مقام پر یہ بدعت رائج نہ تھی۔ اس بدعت کی ابتدا کب ہوئی اور کس نے کی؟ اس میں قدرے اختلاف ہے لیکن قدرِ مشترک یہ ہے کہ اس کی ابتدا مصر میں ۷۹۱ھ ہجری میں ہوئی اور اس وقت رافضیوں کی حکومت تھی۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۹۵، درمختار جلد اص ۹۴ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۱۷ میں اس کی تصریح ہے کہ اس کی ایجاد ۷۹۱ھ کو ہوئی اور درمختار میں ۷۸۱ھ لکھا ہے۔

اصل واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک جاہل صوفی نے یہ طریقہ خواب میں دیکھا (حالانکہ مدارِ شریعت خوابوں پر نہیں ہے اور نہ وہ شرعاً حجت ہیں) تو مصر کے ایک ظالم اور راشی حاکم کے سامنے پیش کیا۔ اس نے قانوناً یہ بدعت جاری کر دی۔ چنانچہ علامہ مقریزی رح فرماتے ہیں کہ :-

فمضی الی محتسب القاهرة	وہ جاہل صوفی قاہرہ کے محتسب کے
وهو یومئذٍ نجم الدین محمد	پاس گیا جو اس وقت نجم الدین

الطنبدی وکان شیخاجهولا
سیٔ السیرۃ فی الحسبۃ
والقضأ متهافتاً علی الدرهم
ولو قادہ الی البلأ لا یحتشم
من اخذ البرطیل والرشوۃ
ولا یراعی فی مؤمن اِلاًّ ولا
ذِمَّۃً قد جریٔ علی الآثام و
تجسد من اکل الحرام یری
ان العلم ارخاء العذبۃ ولبس
الجبۃ ویحسب ان رضأ اللّٰہ تعٰ
فی ضرب العباد بالدرۃ وولایۃ
الحسبۃ وجهالاتہ شائعۃ وقبائح
افعالہ ذائعۃ۔

(حوالہ الابداع فی مضار الابتداع، ص ۱۷۱)

محمد طنبدی تھا جو ایک جاہل شیخ تھا۔
قضا اور محاسبہ میں بداخلاق تھا۔
ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا
اور کمینگی اور بے حیائی کا پتلہ تھا
حرام اور رشوت لینے سے دریغ
نہیں کرتا تھا اور کسی مومن کی
قرابت اور ذمہ کا پاس اس کو
نہ تھا۔ گناہوں پر بڑا حریص تھا
اور اس کا جسم مال حرام سے پلا
ہوا تھا۔ اس کے نزدیک علم کا
کمال بس دستار و جبہ تھا اور یہ
سمجھتا تھا کہ رضاء الہی اللہ تعالیٰ کے
بندوں کو کوڑے لگانے اور عہدۂ
قضاء پر برابر جما رہنے سے ہے اس
کی جہالتوں کے قصے اور اس کے
گندے افعال کے قصے ملک
میں مشہور تھے۔

علامہ طحطاویؒ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ
کارروائی محمد نقشبندی کے حکم سے ہوئی۔
(طحطاوی صہ ۱۰۴ طبع مصر)

امام عبدالوہاب شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ :-

قال شیخنا رضی اللہ عنہ لم یکن التسلیم الذی یفعلہ المؤذنون فی ایام حیواتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء الراشدین قال کان فی ایام الروافض بمصر شرعوا التسلیم علی الخلیفۃ ووزرائہ بعد الاذان الی ان توفی الحاکم بامراللہ وولوا اختہ فسلموا علیہا وعلی وزرائہا من النساء فلما تولی الملک العادل صلاح الدین بن ایوب فابطل ھذہ البدع وامر المؤذنین بالصلوٰۃ والتسلیم علی رسول اللہ

ہمارے شیخ نے اللہ تعالٰے ان سے راضی ہو، یہ فرمایا کہ یہ سلام کہنا جیسا کہ مؤذن اب کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضؓ کے زمانہ میں نہ تھا اور فرماتے ہیں کہ یہ رافضیوں کے دور میں مصر میں رائج ہوا کہ انہوں نے اپنے خلیفہ اور اس کے وزراء پر اذان کے بعد سلام کہنا شروع کیا یہاں تک کہ حاکم بامراللہ کا انتقال ہو گیا اور لوگوں نے اس کی بہن کو اقتدار سونپا تو اس پر اور اس کی وزیر عورتوں پر مؤذن

علیہ وسلّم یدل تلك البدعة واصر بہا اھل الامصار والقری فجزاہ اللہ خیرًا (کشف الغمہ جلد ۱ صــ طبع سنہ ۱۳۷۰ھ)

یہ سلام کرتے رہے جب عادل بادشاہ صلاح الدین بن ایوبؒ کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے اس بدعت کو ختم کر دیا اور موذنوں کو حکم دیا کہ اس بدعت کی جگہ وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ و سلام پڑھا کریں اور شہروں اور دیہاتوں کے باشندوں کو اس نے اس کا حکم دیا۔ اللہ تعالےٰ اُن کو بہتر جزا دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ معہود صلوٰۃ و سلام نہ تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہدِ مبارک میں تھا اور نہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے دورِ مسعود میں بلکہ اس کی ابتداء مصر میں اس زمانہ میں ہوئی جب کہ وہاں رافضیوں کا اقتدار تھا۔ انھوں نے مکہ مصر اور اس کی وزرار عورتوں پر سلام کہنا جاری کر دیا۔ جب عادل بادشاہ سلطان صلاح الدینؒ کا دور شروع ہوا تو اُنھوں نے اس بدعت کو ممنوع قرار دے کر اس کے بجائے مصر

کے شہروں اور دیہاتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا حکم دے دیا۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس بدعت نے مصر میں اس طرح وبا کی شکل اختیار کر لی تھی کہ اس کو یک قلم ممنوع قرار دینا ملک عادل کے بس میں بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے غالباً اس قاعدہ کے پیشِ نظر اذا ابتلیتم ببلائین فاختروا اھونھما کہ جب تم دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤ تو ان دونوں میں سے ہلکی کو اختیار کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کو جاری کیا تاکہ ملک میں ہیجان پیدا نہ ہو اور نہ خلفشار کی نوبت آئے اور اس طرح روافض کی جاری کردہ بدعتِ ضلالہ ختم ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اُمت کو ملک عادل کی اتباع کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ حکم تو یہ دیا ہے کہ میری اور میرے خلفاء راشدین رض کی سُنّت کو مضبوطی سے پکڑو اور خود اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ یہ کارروائی نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ہوئی اور نہ حضرات خلفاء راشدین کے دور میں، حالانکہ اس وقت اذان بھی ہوتی تھی، مسجدیں بھی تھیں پڑھنے والے بھی ہوتے تھے اور ان میں محبت بھی کمال درجہ

کی ہوتی تھی پھر وہ کون سی نئی مجبوری لاحق ہو گئی کہ اس بدعت پر عمل کرنے کی شرعی ضرورت پیش آ گئی؟ امام ابن حجر المکی رح فرماتے ہیں کہ :-

قد احدث المؤذنون الصلوٰة والسلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح والجمعة فانہم یقدمون ذٰلک فیہما علی الاذان والا المغرب فانہم لایفعلونہ غالباً لضیق وقتہا وکان ابتداً حدوث ذٰلک فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بن ایوب وبامرہٖ فی مصر واعمالہا وسبب ذٰلک ان الحاکم المخذول لما قتل امرت اختہ المؤذنین ان یقولوا فی حق ولدہٖ السلام علی الامام الطاہر ثم استمر

بلاشبہ مؤذنوں نے فرضی نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے مگر صبح اور جمعہ کی اذان سے پہلے وہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور مغرب کے وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے وہ غالباً نہیں پڑھتے اور اس کی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدینؒ بن ایوبؒ کے دور میں اور اسکے حکم سے مصر اور اس کے قلمرو میں ہوئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جب حاکم مخذول قتل کر دیا گیا تو اس کی بہن نے مؤذنوں کو

السلام علی الخلفاء بعدہٗ الی
ان ابطلہٗ صلاح الدین المذکور
وجعل بدلہ الصلوٰۃ والسلام
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلّم
فنعم ما فعل فجزاہ اللہ خیرًا
ولقد استفتی مشائخنا وغیرھم
فی الصلوٰۃ والسّلام علیہ صلی
اللہ علیہ وسلم بعد الاذان
علی الکیفیۃ التی یفعلھا المؤذنون
فافتوا بان الاصل سنۃ
والکیفیۃ بدعۃ وھو ظاھر
کما علم مما قررتہ من الاحادیث
(الفتاوی الکبرٰی الفقہیۃ جلد ۱ ص ۱۳۱)

حکم دیا کہ وہ اس کے لڑکے کے
حق میں یوں سلام کہیں السلام
علی الامام الطاہر پھر اس کے
بعد اور حکمرانوں پر بھی یہ سلام ہوتا
رہا۔ یہاں تک کہ صلاح الدین ؒ نے
اس کو ختم کیا اور اس کے عوض
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر
صلوٰۃ و سلام جاری کیا۔ اس کا
یہ فعل کیا اچھا ہے۔ سو اللہ تعالےٰ
اس کو جزائے خیر عطا فرمائے اور
ہمارے مشائخ اور اسی طرح
دوسرے بزرگوں سے اس کے
بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اذان
کے بعد اس کیفیت سے جس طرح
کہ اب مؤذن آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے
ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ تو انھوں

نے یہ فتویٰ دیا کہ نفس درود شریف تو
سنّت ہے مگر اس کیفیت
سے پڑھنا بدعت ہے اور
یہ بالکل ظاہر ہے جیسا کہ مَیں نے
احادیث سے اس کو ثابت
کر دیا ہے ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فجزاہ اللہ خیرًا کا جملہ دُعائیہ صرف اس فعل سے متعلق ہے کہ سلطان صلاح الدینؒ نے فسّاق و فُجّار حکّام پر سلام کے طریقہ کو بند کر دیا تھا اور معہود تسلیم سے اس جملہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آگے مشائخ کے حوالہ اور ان کے فتویٰ سے اذان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر نفس صلوٰۃ و سلام کو سنّت اور مروّجہ کیفیت کو بدعت لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ بالکل ظاہر ہے۔ جیسا کہ احادیث سے اس کا ثبوت ہو چکا ہے۔ جن لوگوں نے جملہ دعائیہ کو اجراء تسلیم علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بھی لگایا ہے، تو انھوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور سب عبارت کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کم فہموں کو فہم عطا فرمائے اور اس سے قبل اُنھوں

نے صلوٰۃ وسلام کی چند احادیث بیان کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ :-

وورد ت احادیث اُخر بنحو تلك الاحادیث السابقة و لم نرفی شئ منها التعریض للصلوٰۃ علیه صلی الله علیه وسلم قبل الاذان ولا الی محمد رسول الله بعده ولم نر ایضًا فی کلام ائمتنا تعرضا لذٰلك ایضًا فحینئذٍ کل واحد من ھٰذین لیس بسنة فی محله المذکور فیه فمن اتی بواحدٍ منهما فی ذٰلك معتقدا سُنیتة فی ذٰلك المحل المخصوص نهی عنه ومنع منه لانه تشریع بغیر دلیل ومن شرع بلا دلیل یزجر عن ذٰلك وینهی عنه -

(جلد ۱ صـ۱۳۱)

ان گزشتہ احادیث کی طرح اور بھی اس مضمون کی کئی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور ہم نے ان میں سے کسی میں یہ اشارہ نہیں دیکھا کہ اذان سے پہلے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ وسلام پڑھی جائے اور نہ یہ کہ اذان کے بعد محمد رسول اللہ کے الفاظ پڑھے جائیں اور ہم نے اپنے اماموں کے کلام میں بھی نہیں دیکھا کہ اُنھوں نے اس سے کچھ تعرض کیا ہو۔ اندریں حالات یہ دونوں باتیں اس مذکورہ مقام میں سنت نہیں (بلکہ بدعت) ہیں۔ سو جس شخص نے ان میں سے کوئی ایک بات بھی سُنت سمجھ کر اس مخصوص محل میں کی تو اُسے

منع کیا جائیگا اور روکا جائیگا کیونکہ
یہ بلا دلیل شریعت بنانا ہے اور
جو شخص بغیر دلیل کے شریعت
بنائے تو اس کو اس سے ڈانٹا جائیگا
اور روکا جائے گا۔

ملاحظہ کیجئے کہ کس صفائی سے امام ابنِ حجرؒ نے اس بدعت کو روکنے کی سعی اور جرأت کی ہے۔

مطلق درود شریف اور ذِکر کی فضیلت کی حدیثوں سے اذانوں اور نمازوں سے قبل یا بعد جہراً پڑھنے پر استدلال کرنا اپنی غیر معصوم رائے سے دین میں دخل دینا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو اسحٰق الشاطبیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) ایک خاص مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

فالتقیید فی المطلقات التی	ان مطلق احکام میں قید لگانا
لم یثبت بدلیل الشرع	جن میں شریعت کی طرف سے
تقییدها رأی فی التشریع	کوئی قید لگانا ثابت نہیں ہے۔
فکیف اذا عارضه الدلیل	شریعت میں اپنی رائے کو دخل دینا
وهو الامر باخفاء النوافل	ہے۔ پھر اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔

مثلاً۔ جبکہ اسکے مقابلہ میں دلیل موجود ہو

(الاعتصام جلد ۲ طبع مصر) مثلاً نفلوں کو مخفی کرکے ادا کرنا۔

اسی طرح ذکر وغیرہ کا معاملہ ہے۔ حدیث میں آتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی۔ (حم، حب، ھب، عن سعدؓ صحیح الجامع الصغیر ج۳)	بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

اگر ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ درست بھی ہو تو اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ آہستہ ذکر کرنا بہرحال بہتر ہے اور ترجیح اس کو ہے۔ کیونکہ یہ ریاء سے بھی بعید ہے اور نمازیوں، سونے والوں، مطالعہ کرنے والوں اور بیماروں کو اس طرح سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

اور امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ :-

قد احدث المؤذنون الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب الاذان للفرائض الخمس الا الصبح	مؤذنوں نے پانچ فرض نمازوں کی اذانوں کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی بدعت گھڑی ہے مگر صبح اور جمعہ

والجمعۃ فانھم یقدمون
ذٰلک فیھما علی الاذان والا
المغرب فانھم لا یفعلونہ
اصلا لضیق وقتہا وکان
ابتدآء حدوث ذٰلک من
ایّام السلطان الناصر
صلاح الدین ابی المظفر
یوسف بن ایوب وامرہٖ و
اما قبل ذٰلک فانہ لما قتل
الحاکم بن العزیز امرت اختہ
ست الملک ان یسلم علیٰ
ولدہٖ الظاھر فسلم علیہ
بما صورتہٗ السلام علی الامام
الظاھر ثم استمر السلام علیٰ
الخلفاء بعدہٗ خلفا عن سلف
الیٰ ان ابطلہ الصلاح المذکور
جوزی خیرًا وقد اختلف فی

کے موقع پر وہ یہ کارروائی اذان
کے پہلے کرتے ہیں اور مغرب کے
وقت بالکل نہیں کرتے، کیونکہ
اس کا وقت تنگ ہوتا ہے اور
اس کی ابتداء سلطان صلاح الدین
ابوالمظفر یوسف بن ایوب کے
دَور میں اور اس کے حکم سے ہوئی
کیونکہ جب حاکم ابن عزیز قتل ہوا
تو اس کی بہن ست الملک نے
حکم دیا کہ اس کے لڑکے ظاہرؔ پر
اس طرح سلام کہا جائے۔ السلام
علی الامام الظاہر پھر اس کے بعد
حکمرانوں پر یکے بعد دیگرے سلام
کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ
صلاح الدین مذکورؒ نے اس کو بند
کر دیا، اس کو جزائے خیر ملے، اور
بیشک اس کے بارے میں اختلاف

له پہلے یہ لفظ ظاہر گزرا ہے اور اب ظاہر۔ بظاہر نسخہ کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم

ذٰلک هل هو مستحب او مکروه او بدعۃ او مشروع واستدل للاول بقوله تعالیٰ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ و معلوم ان الصلوٰة والسلام من اجل القرب لاسیّما وقد تواردت الاخبار علی الحث علیٰ ذٰلك مع ما جاء فی فضل الدعاء عقب الاذان والثلث الاخیر من اللیل وقرب الفجر والصواب انه بدعۃ حسنۃ یوجر فاعله بحسن نیته اھ (القول البدیع ص۲۷۴ طبع الہ آباد الھند)

کیا گیا ہے کہ کیا وہ مستحب ہے یا مکروہ یا بدعت یا محض جائز اور اس کے مستحب ہونے کے لئے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے کہ تم بھلائی کرو اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وسلام بڑی عبادات میں سے ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب پر حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور علاوہ ازیں اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے قریب دعا کی فضیلت کی حدیثیں بھی آئی ہیں اور درست بات یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جوزی خیوگا کے جملہ دعائیہ کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ سلطان صلاح الدین رح نے ظالم اور عیّاش بادشاہوں پر سلام کی بدعت کو ختم کیا

تھا۔ رہا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم پر اذانوں کے بعد صلوٰۃ و سلام کا معاملہ، تو وہ اس کے بارے میں علماء کرام سے چار قسم کا اختلاف نقل کرتے ہیں کہ کسی نے اس کو مستحب کہا اور کسی نے مکروہ۔ کسی نے اسے بدعت کہا اور کسی نے صرف جائز اور اپنی رائے بدعت حَسَنہ ہونے کی بیان کی۔ بشرطیکہ اس کا فاعل نیک نیّتی سے یہ کام کرتا ہو اور دلیل یہ بیان کی کہ یہ بھی ایک خیر ہے اور اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کہ تم بھلائی کیا کرو اور بکثرت حدیثیں صلوٰۃ و سلام کے فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور اذان کے بعد اور سحری کے وقت اور فجر کے وقت دُعا کی فضیلت آئی ہے۔ مگر امام سخاوی رح نے یہ جو کچھ بیان کیا ہے، دعویٰ سے بالکل غیر متعلق ہے۔ کیوں کہ صلوٰۃ و سلام کی فضیلت کا کون مسلمان منکر ہے؟ اور اسی طرح سحری کے وقت اور بوقت فجر دُعا کی فضیلت کا جو احادیث سے ثابت ہے کون انکار کرتا ہے؟ دعوےٰ اور سوال تو یہ ہے کہ بلند آواز سے جو گلے پھاڑ پھاڑ کر اذانوں سے پہلے یا بعد صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے اِس کی کون سی دلیل ہے؟ اور اس کی

فضیلت پر کون سی حدیث وارد ہوتی ہے ۔ امام سخاویؒ وہ نہیں پیش کر سکے ۔ اگر یہ فعل وَافْعَلُوا الْخَیْرَ سے ثابت ہوتا تو حضرات خلفاءِ راشدین رضؓ اور صحابہ کرام رضؓ اور خیر القرون کے سلفِ صالحین پر یہ عقدہ کیوں نہ کھلا ؟ کیا ان کے سامنے وَافْعَلُوا الْخَیْرَ کا قرآنی مضمون نہ تھا ؟ اگر یہ کارروائی خیر ہوتی تو وہ حضرات کبھی اس سے نہ چوکتے ۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ :-

واما اهل السنة والجماعة فيقولون في كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضى الله عنهم هو بدعة لانه لو كان خيراً لسبقونا اليه لانهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الاوقد بادروا اليها ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۱۵۶)	بہرحال اہلسنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو فعل اور قول حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہوا ہو تو وہ بدعت ہے کیونکہ اگر وہ خیر اور بہتر ہوتا تو ضرور وہ ہم سے اس کے کرنے میں سبقت لے جاتے ۔ کیونکہ انھوں نے بھلائی کی خصلتوں میں سے کوئی خصلت ایسی نہیں چھوڑی جس میں وہ سبقت نہ لے گئے ہوں ۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:

اقول الفرقۃ الناجیۃ ھم الآخذون فی العقیدۃ والعمل جمیعًا بما ظہر من الکتاب والسنۃ وجری علیہ جمہور الصحابۃ والتابعین اھ (حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صـ۱۷۰، طبع مصر)

میں کہتا ہوں کہ نجات حاصل کرنے والا فرقہ وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں اس چیز کو لیتا ہے جو کتاب اور سنت سے ظاہر ہو اور جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا اس پر عمل ہو۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

وغیر الناجیۃ کل فرقۃ انتحلت عقیدۃ خلاف عقیدۃ السلف او عملًا دون اعمالھم اھ (ایضًا صـ۱۷۱)

اور غیر ناجی ہر وہ فرقہ ہے جس نے سلف (یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ) کے عقیدہ اور عمل کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل اپنایا ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے کس واضح انداز سے ناجی اور غیر ناجی فرقہ میں فرق بیان کیا اور خطِ امتیاز کھینچ دیا ہے۔

الغرض اذانوں سے قبل اور بعد بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام کے بدعت کہنے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بعض

حضرات نے مثلاً امام شعرانی، سید احمد طحطاوی اور اسی طرح بعض دیگر مصری (وغیرہ) علماء نے اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق اسے بدعتِ حسنہ کہا ہے مگر کاش کہ ان کے سامنے آج کل کے مفاسد اور خرابیاں ہوتیں تو وہ کبھی اس کو بدعتِ حسنہ نہ کہتے بلکہ یقین کامل ہے کہ وہ اسے بدعتِ سیئہ سے تعبیر کرتے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ سائنس کی ترقی کی بدولت لاؤڈ اسپیکر ایجاد ہوں گے اور ان کی بدولت آواز میلوں تک پہنچے گی کہ نہ تو کوئی مطالعہ اور تلاوت کر سکے گا اور نہ نماز اور سبق ہی پڑھ سکے گا۔ اور نہ سکون و آرام سے ذکر کر سکے گا اور نہ کوئی نیند کر سکے گا۔ اور پڑھنے والے اکثر تعصب اور ضد اور چڑانے کی نظر سے پڑھیں گے۔ یہ مفاسد ان بزرگوں کے دور میں بھی نہ ہوں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک دور میں بیبیاں مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتی تھیں لیکن نہایت شرافت، سادگی اور حیا کے ساتھ۔ بعد کو جب مصر، شام اور ایران وغیرہ فتح ہوئے اور وہاں کی بے باک اور بناؤ سنگار کرنے والی عورتیں مدینہ طیبہ پہنچیں تو حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو دیکھ لیتے

تو ان کو ضرور مسجد میں آنے سے روک دیتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئی تھیں۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۰) یقین کامل ہے کہ اگر یہ بزرگ اس وقت موجود ہوتے تو اس کارروائی کو بدعت حسنہ کے بجائے بدعتِ ضلالہ کہتے۔ لاشک فیہ۔

فتاوی ذخیرۃ السالکین میں لکھا ہے کہ :-

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل الاذان و بعدہ من محدثات الامور التی لم یکن فی عھد رسول اللہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدین والتابعین ومن تبعھم رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین۔

اذان سے پہلے اور بعد درود شریف پڑھنا ان بدعات میں سے ہے جن کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا۔

(بحوالہ غایۃ الکلام صفحہ ۱۲۵)

اور مؤلف مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ اہلِ بدعت نے صرف اذان میں راگ ہی پر اکتفا نہیں کی :-

بل زادوا علیھا بعض الکلمات من الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی

بلکہ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا بعض

صلی اللہ علیہ وسلم وان کان	کلمات بھی اختیار کئے ہیں۔ اگرچہ درود
مشروعاً بنص الکتاب والسنۃ	شریف قرآن و سنت سے ثابت ہے
وکان من اکبر العبادات و	اور بڑی اور عمدہ عبادات میں سے
اجلہا لکن اتخاذہا عادۃ فی	ہے لیکن منارہ پر اذان کے بعد اس
الاذان علی المنارۃ لم یکن مشروعا	کے پڑھنے کی عادت اختیار کر لینا
اذ لم یفعلہ احد من الصحابۃ	مشروع نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ اور
والتابعین ولا غیرہم من ائمۃ	تابعینؒ اور ائمہ دین رحمہم اللہ میں سے کسی
الدین ولیس لامرأ ان یضع	ایک نے ایسا نہیں کیا اور کسی کو
العبادات الا فی مواضعہا التی	یہ حق حاصل نہیں کہ عبادات کو
وضعہا فیہا الشرع ومضی علیہا	ایسے مقامات پر ادا کرے جہاں
(مجالس الابرار ص۳ طبع کانپور)	شریعت نے نہیں بتائیں اور جس
	پر سلف صالحینؒ نے عمل نہیں کیا۔

اور علامہ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں کہ:۔

فالصلوۃ والتسلیم علی النبی صلی	(اہل بدعت نے) آنحضرت صلی اللہ
اللہ علیہ وسلم احدثوہا فی	علیہ وآلہ وسلم پر چار مقامات پر
اربعۃ مواضع لم تکن تفعل	صلوۃ و سلام پڑھنے کی بدعت
فیہا فی عہد من مضی والخیر	ایجاد کی ہے جس کا وجود سلف

کما فی الاتبع لھم مع انھا قریبۃ عھد بالحدوث جدا وھی عند طلوع الفجر من کل لیلۃ وبعد اذان العشاء لیلۃ الجمعۃ اھ (مدخل جلد ۲ ص ۲۴۷)

صالحینؒ کے زمانہ میں نہ تھا اور خیر تو ان کی پیروی ہی میں ہے حالانکہ یہ بدعت تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ ایجاد ہوئی ہے۔ ان مقامات میں سے ایک طلوعِ فجر کے وقت روزانہ اور دوسرا جمعہ کی رات کو عشاؔ کی اذان کے بعد درود پڑھنا ہے۔

اور شیخ عبدالحق دہلویؒ فرماتے ہیں :-

در فضیلت صلوۃ بر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کرا سخن است سخن چنانکہ فرمودہ نہ باید کرد ہر چیز را محبۃ و موطنے تعین کردہ ہماں جا باید گفت و کرد۔

(مدارج النبوۃ جلد ۱ ص ۳۲۷)

ان تمام حوالوں وخصوصاً مقریزیؒ اور کشف الغمہ کے حوالے سے روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اذان کے بعد اور اس سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود شریف کا پڑھنا بدعت ہے اور اس کی ابتداء رافضیوں کے دور میں ہوئی اور ایسے ظالم حاکم کے ہاتھوں پر ہوئی جو بداخلاق، وحشی، حرام خور اور انتہائی کمینہ تھا اور موجودہ صلوۃ و سلام کا

طریقہ رافضیوں کے سب کو چھوڑ دے جو بقول بعض سنیان صدر الدینؒ نے رافضیوں کی بدعت کو ختم کر کے اپنی آپ اس کو یوں کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے بڑی بدعت کو ختم کر کے چھوٹی اور ہلکی بدعت اختیار کی مگر بدعت بہرحال بدعت ہے جب بدعت ہوئی تو اس میں حسن کہاں سے آئے گا؟

حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ:

چیزیکہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند۔ (مکتوبات حصہ سوم مکتوب ۱۸۶ طبع امرتسر) یعنی بدعت جب شئی مردود ہے تو اس میں حسن کہاں سے پیدا ہوگا؟

حیرت ہے کہ آپ کو حسن کہنے والے بدعت پر چلتے ہیں اور جو لوگ سنت صحیحہ پر عامل ہیں ان کو وہابی کہتے ہیں۔ نہایت ہی افسوس ہے اس بے بنیاد تفریق پر۔

حضرت مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

از حق تعالیٰ ملتمس است کہ ہر چیز	حق تعالیٰ سے عاجزی اور زاری
در دین محدث شدہ است	کے ساتھ دعا ہے کہ جو چیز دین
مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر	میں گھڑی گئی ہے اور بدعت جاری

و خلفاء راشدین او نبوده اگرچه
آں چیز در روشنی مثل فلق
صبح بود ایں ضعیف را با جمعے
کہ بآں مبتلا اند گرفتار عمل
نگرداند و مفتون حسن آں
مبتدع نکند بحرمۃ سید
المرسلین علیہ (مکتوبات حصہ سوم
مکتوب ۲۳ ص ۲، طبع امرتسر)۔

کی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور اس کے خلفاء
راشدین رضی کے دور میں نہ تھی۔
اگرچہ وہ چیز روشنی میں صبح
کی روشنی کی مانند ہو۔ اس
ضعیف کو سید المرسلین صلی اللہ
علیہ وسلم کے طفیل سے اس
جماعت میں نہ کرے جو اس بدعت
کے عمل میں گرفتار اور بدعت کے
حسن کے فتنہ میں مبتلا ہے۔

یہ یاد رہے کہ جس طرح کسی ثابت شدہ چیز کا کرنا اپنے مقام پر سنت ہے۔ اسی طرح غیر ثابت شدہ چیز کا ترک اور نہ کرنا بھی اپنی جگہ اور اپنے محل میں سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین رضی نے اذان سے قبل اور بعد بلند آواز سے نہ تو صلوۃ وسلام پڑھا اور نہ اس کا حکم فرمایا۔ تو اب اس کے خلاف کرنا یقیناً ان کی سنت کا رافع ہوگا اور یہ کہنا کہ اس کا رواج ہے کسی سنت کی رفع نہیں؟

ہوتی تھی لطف نہیں ہے۔ یہ کارروائی بہرکیف خلافِ سُنّت درواقع سُنّت ہے۔ علامہ ابراہیم الحلبی الحنفیؒ صلوٰۃ رغائب (جو رجب میں پڑھی جاتی ہے) وغیرہ کے بدعت اور مکروہ ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور بعد کے مجتہدینؒ سے یہ منقول نہیں ہے۔ کبیری ص۴۳۲ اور عالمگیری جلد۴ ص۲۲۴ باب الکراہیۃ میں ہے کہ سورۃ کا نزول پوری سُورت جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے منقول نہیں ہے۔

غرضیکہ جس چیز کا داعیہ، محرک اور سبب اُس وقت بھی موجود تھا مگر وہ چیز نہیں کی گئی تو اس کا کرنا بدعت ہے۔ بخلاف ان اشیاء کے جن کا داعیہ اس وقت نہ تھا اور اب پیش آیا ان کے بارے میں اہلِ علم اور اصحابِ بصیرت قیاس و اجتہاد سے کام لے سکتے ہیں۔

تثویب

بعض اہلِ بدعت نے اذان سے قبل اور بعد چلّا چلّا کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو تثویب پر قیاس کیا ہے مگر یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ اولاً اس لئے کہ تثویب کے معنی ہیں اعلام

بعد الاعلام یعنی بتانے کے بعد بتانا گویا پہلے تو اذان کے ساتھ نماز کا وقت بتایا اور پھر دوبارہ آگاہ کیا کہ نماز کا وقت قریب ہے۔ اس تثویب کے بارے میں حضرات ائمہ اربعہ میں اور پھر خود اکابر علماء حنفیہ میں خاصا اختلاف ہے۔ بعض قائل ہیں اور بعض قائل نہیں۔ بعض صرف فجر کی نماز کے لئے قائل ہیں اور بعض سب نمازوں کے لئے اور بعض صرف مفتی، قاضی اور حاکم کے حق میں قائل ہیں اور بعض سب کے لئے۔ جب خود اصل مسئلہ ہی من کل الوجوہ متفق علیہا نہیں تو اس پر قیاس کا کیا معنی؟ وثانیاً اذان سے پہلے جو صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے یہ کیسے تثویب ہوگا؟ کیا اس صورت میں اذان کو تثویب قرار دیں گے؟ مگر جو حضرات صلوٰۃ و سلام کو اذان کی جزو قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں ان سے کیا بعید ہے کہ وہ اذان ہی کو تثویب کہہ دیں وثالثاً تثویب کے لئے کلام کرنا ہی ضروری نہیں بلکہ کھنکارنے سے بھی تثویب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ عینی الحنفی فرماتے ہیں کہ:-

والتثویب فی کل بلد علی ما تعارفوا اما بالتنحنح او بالصلوٰۃ الصلوٰۃ

تثویب ہر شہر والوں کی ان کے تعارف پر ہے یا تو کھانسنے سے

او قامت قامت ۔

(شرح کنز ص۲۱)

اور یا "نماز نماز" یا "کھڑی ہو گئی" "کھڑی ہو گئی" کہہ کر تثویب ہو سکتی ہے)۔

اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی تثویب پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

قوله اعلام بعد الاعلام اشار باطلاقه الى ان لا يختص التثويب بلفظ دون لفظ بل يكفى فيه التنحنح ايضًا ولا يختص بلسان دون لسان والى استحسان التثويب نما هو لما كان له اعلام الاول فما تعورف فى بعض بلادنا من قول الصلوٰة سنة رسول الله بين الاذانين من يوم الجمعة ليس داخلا فى استحسان المتأخرين ولا فى استحسان المتقدمين فيلزم

ماتن کے قول تثویب اعلام بعد الاعلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تثویب کسی ایک لفظ کے ساتھ خاص نہیں کہ دوسرے سے نہ ہو سکے۔ بلکہ اس میں کھنکارنا بھی کفایت کرتا ہے (یعنی کھانس کر کسی کو آگاہ کرنا) اور اسی طرح کسی زبان سے بھی مخصوص نہیں کہ دوسری میں نہ ہو سکے اور نیز اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تثویب اس چیز کو دوبارہ دُھرانا ہے جس کے لئے پہلے آگاہ کیا تھا۔

ترکہ انتہی (عمدۃ الرعایہ جلد ۱ ص۱۵۴)

سو ہمارے بعض شہروں میں جو یہ طریقہ ہے کہ جمعہ کے دن دو اذانوں کے درمیان الصلوٰۃ الصلوٰۃ سنۃ رسول اللہ کہتے ہیں یہ نہ تو متأخرین کے استحسان میں داخل ہے اور نہ متقدمین کے استحسان میں، لہٰذا اس کا ترک لازم ہے۔

فقہاء کرامؒ نے تثویب میں کہ اذان ، یا الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنا یا قامت قامت کہنا یا حی الصلوٰۃ حی الصلوٰۃ وغیرہ الفاظ لکھے ہیں یا ان کے ہم معنی الفاظ جس زبان سے مجتمع ہوں مگر عمدۃ الرعایہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ الصلوٰۃ الصلوٰۃ کے علاوہ سنۃ رسول اللہ کے الفاظ (جو بلا ضرورت سے زائد ہیں) کہنا بھی نہ تو متأخرین فقہاء کرامؒ کے استحسان میں داخل ہے اور نہ متقدمین کے، پھر بھلا صلوٰۃ و سلام دو کئی کئی بار اور کافی کافی وقت پڑھنا تثویب میں کیونکر داخل ہو سکتا ہے؟ اور یہ کیسے مستحسن ہو سکتا ہے؟ و دیکھا کون کون معتبر فقہاء کرامؒ نے صلوٰۃ و سلام کو اس معہود تثویب میں شامل کیا ہے۔

دیکھا ہے۔ اپنی طرف سے اس کو تثویب میں داخل کر دینے سے کچھ نہیں بنتا۔

ذکر بالجہر بھی مشروط ہے :-

جن بعض اکابر علماء کرام نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے تو اُنھوں نے اس کو مشروط کیا ہے مطلقاً جہر کے حق میں وہ بھی نہیں ہیں، چنانچہ صاحب روح البیان لکھتے ہیں کہ :-

وقد جمع النووی بین الاحادیث	امام نووی رحمۃ اللہ نے ان احادیث
الواردۃ فی استحباب الجھر بالذکر	میں جو بلند آواز سے ذکر کرنے
والواردۃ فی استحباب الاسرار	کے بارے میں وارد ہوئی ہیں،
بہ بان الاخفاء افضل حیث	اور ان احادیث کے بارے میں جو
خاف الریاء او تأذی المصلون	آہستہ ذکر کرنے سے متعلق ہیں،
او النائمون والجھر افضل فی	یوں تطبیق دی ہے کہ آہستہ ذکر
غیر ذلک لان العمل فیہ اکثر	اس وقت افضل ہے جب کہ جہر
ولان فائدتہ تتعدی الی السامعین	سے ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں کو
ولانہ یوقظ قلب الذاکر	جہر سے تکلیف ہوتی ہو یا سونے
ویجمع ھمہ الی الفکر ویصرف	والوں کو بے آرامی ہوتی ہو اور
سمعہ الیہ ویطرد النوم اھ	جہاں یہ مجبوریاں نہ ہوں تو وہاں

(روح البیان جلد۳ ص۳۰۶)

جہت ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اسی پر عمل زیادہ ہے اور اس لئے بھی کہ اس کا فائدہ سامعین کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ ذکر دل کو بیدار کرتا ہے اور اس کی دلجمعی کا سامان اسی میں ہے اور اس کے کان بھی اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور نیند بھی بھاگے گی

اور علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں کہ :-

والجمع بینهما بان ذلك یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بذلك بین احادیث الجهر والاخفاء بالقراءة ولا یعارض ذلك حدیث خیر الذکر الخفی لانه حیث خیف الریاء او تاذی المصلون

اور ان کی تطبیق یوں ہے کہ یہ اشخاص و احوال کی وجہ سے مختلف ہے جیسا کہ بلند آواز سے قرأۃ کرنے اور آہستہ پڑھنے کی حدیثوں میں یہ تطبیق دی گئی ہے اور یہ اس حدیث کے معارض نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ بہتر ذکر آہستہ ہے۔

اوانبیاء فن حلاس ذکر فقدن بعض، هل العلمه ان الجهر افضل (شامی جلد ۱ صفحہ ۱۸)	کیونکہ جہر وہاں بہتر نہیں جہاں ریاء کا خوف ہو یا نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو یا سونے والوں کو اذیت ہوتی ہو۔ پس اگر ان امور سے خالی ہو تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ذکر بالجہر افضل ہوگا۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر وہاں جائز اور افضل ہے جہاں ریاء کا خوف نہ ہو اور جہاں نمازیوں کی نماز میں اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ آتا ہو۔ ریاء تو ایک قلبی اور باطنی امر ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے یا ریاکار خود جان سکتا ہے لیکن ذکر بالجہر سے نمازیوں کی نماز میں اور سونے والوں کی نیند میں جو خلل پڑتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے بلکہ بدعتیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے اور اب تو زور شور کے ساتھ وہ اس پر مصر ہیں کہ جب سنت کے بعد نمازیں شروع کرتے ہیں تو بس وہ اس وقت گلے پھاڑ پھاڑ کر لاؤڈ سپیکر پر صلوٰۃ و سلام اور خدا جانے کیا کچھ مصنوعی عشق نامے پڑھتے ہیں، نہ تو با جماعت نماز پڑھنے والے اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں اور نہ علیحدہ علیحدہ

اور معذور بھی سے نماز اور تلاوتِ قرآن کریم کر سکتے ہیں اور بیماروں اور سونے والوں کو بڑا اذیت ہوتی ہے تو اس کا کہنا ہی کیا؟ اور اس بدعت کی اذیت سے شریعتِ حقہ تو نالاں ہے ہی، عوام الناس بھی نالاں ہیں اور بزبانِ حال کہتے ہیں کہ ؎

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

تصویر کا دوسرا رُخ :-

آپ نے قرآن و سنت اور فقہاء اُمت سے ذکر دُعا اور درود شریف کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کے نصوص تو لے تو ملاحظہ کر لئے ہیں اب کاغذی کشتی و تنکوں کا پل بھی ملاحظہ کرتے جائیے :-

گوجرانوالہ کے ایک مولوی ابوداؤد محمد صادق صاحب بریلوی نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا بعد نماز بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا ثبوت۔ یہ اشتہار کسی وقت لاہور کے بعض بریلویوں نے طبع کرایا تھا اس کو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ مولوی صاحب مذکور نے اپنے افادات میں شامل کر کے دادِ تحسین حاصل کرنے کی بے جا اور ناکام سعی کی ہے۔ یقین جانیئے کہ پورے اشتہار میں ایک حوالہ بھی ایسا نہیں جو ان کے بالائی عنوان کی تائید کرتا ہو۔ ہم ترتیب وار ان کی خیانت یا جہالت کو طشت از بام کرتے ہیں

غور فرمائیں:۔

پہلا حوالہ:۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ پاک میں فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں اس ذکر کو سنتا تھا تو معلوم کر لیتا تھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہوگئے ہیں اور یہی حوالہ آگے شیخ محمد تھانوی رحؒ کے دلائل الاذکار صفحہ کا دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد صحابہ کے ساتھ بلند آواز سے تسبیح و تہلیل و ذکر کرتے تھے (محصلہ)

الجواب:۔ یہ حوالہ مولوی محمد صادق صاحب کو ہرگز مفید نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ ان کا دعویٰ نمازوں کے بعد درود شریف بلند آواز کے ساتھ پڑھنے کا ہے۔ اور یہ حوالہ درود شریف کے الفاظ سے خالی ہے۔ اس میں کہیں درود شریف کا ذکر نہیں ہے۔ وثانیاً حافظ ابن حجر رحؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقال النووی حمل الشافعی	امام نووی رحؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام
هذا الحدیث علی انهم جهروا به	شافعی رحؒ نے اس حدیث کو اس امر پر
وقتاً یسیرا لاجل تعلیم صفة	محمول کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام
الذکر لا انهم داوموا علی الجهر	اور صحابہ کرام رضؓ نے تھوڑے سے عرصہ

به ومختار ان الامام والماموم يخفيان الذكر الا اذا احتيج الى التعليم (فتح بارى جلد ۲ ص ۲۲۵)

کے لئے ذکر جہر سے کیا تھا تاکہ ذکر کے طریقہ کی تعلیم ہو سکے، یہ نہیں کہ انھوں نے بلند آواز سے پڑھنے پر مداومت کی مختار اور حق بات یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز سے ذکر کریں مگر جب کہ تعلیم کی حاجت پڑے۔

اور امام نووی رح نے اس حدیث کی شرح میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

ونقل ابن بطال وآخرون ان اصحاب المذاهب المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر والتكبير وحمل الشافعي هذا الحديث على انه جهر وقتا يسيرا حتى يعلمهم صفة الذكر لا انهم جهروا دائما۔

محدث ابن بطال رح وغیرہ علماء نے کہا ہے کہ وہ ائمہ مذاہب جن کی لوگوں نے بکثرت اتباع کی ہے اور اسی طرح دوسرے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور تکبیر کہنا مستحب نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی کی روایت کا مطلب امام شافعی رح نے

تنویر مسلم جلد ۱ ص... یہ بیان کیا ہے کہ کچھ عرصہ سے
لئے تعلیم کی خاطر بلند آواز کے
ساتھ ذکر ہوتا رہا، نہ یہ کہ انھوں نے
اس پر دوام کیا۔

آپ نے دیکھ لیا کہ تمام ائمہ سلف اس بات پر متفق ہیں کہ نہ تو بلند آواز سے ذکر کرنا درست ہے اور نہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا درست ہے اور یہ مذکورہ حدیث اس وقت کی ہے جب کہ لوگوں کو ذکر کی تعلیم دی گئی تھی گویا جہر بالذکر کی یہ حدیث منسوخ ہے اور جمہور ائمہ اسلام اور خصوصاً ائمہ اربعہ کے نزدیک بہت ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔ تعلیم کا معاملہ الگ ہے۔ تعجب ہے کہ تمام ائمہ ایک طرف ہیں اور اہلِ بدعت دوسری طرف ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

ہوسکتا ہے: جہاد کے موقع پر اسلامی لشکر کا نعرۂ تکبیر بلند کرنا جائز ہے اور اس کے لئے درست دلائل ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وھو قدیم من شأن الناس — لوگوں کا اس پر قدیم سے عمل چلا ہے

(فتح الباری جلد ۲ ص ۲۶۹) آ رہا ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ کے حوالہ سے اشتہار میں جو یہ لکھا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے اس سے صاحب اشتہار نے اپنے دجل کا ثبوت دیا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے بعض کا یہ قول نقل کر کے اس کو پسند نہیں کیا اور اپنا نظریہ والمختار الخ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جس کا بیان باحوالہ پہلے ہو چکا ہے۔

دوسرا حوالہ:۔ طبرانیؒ اور بیہقیؒ اور حلیۃ الاولیاء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا اتنا ذکر کرو کہ منافق اور جاہل لوگ تمہیں مجنوں اور ریاکار سمجھیں۔ (محصلہ)

الجواب:۔ اس کا جہر اور بلند آواز کے ساتھ ذکر سے کیا تعلق ہے؟ اور پھر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے سے کیا ربط ہے؟

دعویٰ اور دلیل کی مطابقت ضروری ہوتی ہے اس سے جو امر ثابت ہے وہ کثرتِ ذکر ہے اور وہ محلِ نزاع نہیں ہے۔

تیسرا حوالہ:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرنے کے بعد بلند آواز سے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ، پڑھتے تھے۔
(مشکوٰۃ ص۸۹ محسد)

الجواب :۔ یہ بھی مولوی محمد صادق صاحب کی سخت جمی جہالت ہے اور اس لئے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رض کی روایت میں (بصوتہ الاعلی) بلند آواز کا کوئی جملہ نہیں ہے۔ یہ جملہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رض کی روایت میں ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ جلد ا ص۸۹ ۔ جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں رواہ مسلم ، کہ یہ مسلم کی روایت ہے ۔ یہ روایت مسلم جلد ا ص۲۱۸ میں ہے لیکن اس میں بصوتہ الاعلی کا جملہ بالکل نہیں ہے ۔ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے ۔ مشکوٰۃ میں ان کے کئی اور وہم بھی ہیں جو اہل علم پر مخفی نہیں ہیں ۔ جاہلوں کو سمجھانا مشکل ہے ۔

چوتھا حوالہ :۔ بحوالہ شامی جلد ا ص۴۸۸ فتاویٰ رحیمیہ سے نقل کیا ہے کہ علماء سلف و خلف کا جماع ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعت کے ساتھ مل کر ذکر کرنا مستحب ہے ۔

الجواب :۔ اس حوالہ کے نقل کرنے میں مولوی محمد صادق صاحب نے جس دجل اور تلبیس کا ثبوت دیا ہے غالباً یہود بھی اس سے شرما جائیں گے ۔ یہ الگ بات ہے کہ بریلویوں کے

اس خطیب کو شرم نہ آئے۔ شامی میں فی المساجد وغیرھا کے آگے یہ استثناء بھی ہے جس کو مولوی صاحب شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔

لان یشوش جہرہ علی نائم و مصل او قاری الخ (شامی جلد ۱ صـ۶۱۱)	مگر یہ کہ ذکر کرنے والوں کا جہر سونے والے یا نمازی یا قاری کے لئے تشویش کا ذریعہ ہو تو پھر جہر سے پڑھنا مستحب نہیں ہے۔

دیکھئے کس طرح مولوی صاحب نے بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے کہ مستثنیٰ منہ ذکر کر دیا ہے اور مستثنیٰ کھا گئے ہیں۔

پانچواں حوالہ: تفسیر روح البیان جلد ۲ صـ۳۰۳، صـ۲۵۲۔ مرقات شرح مشکوٰۃ اور خزینۃ الاسرار صـ۵ میں مذکور ہے۔ ریاکاری کا خوف نہ ہو تو بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے تاکہ نیند اور غفلت دور ہو الخ (محصلہ)

الجواب: بے شک بعض علماء کے نزدیک بعض وقت ذکر بالجہر جائز ہے مگر روح البیان وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف نہ ہو اور مرقات کا حوالہ گزر چکا ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر حرام ہے

در مرقات ہی میں ہے کہ :۔

ویسن الاسرار فی سائر الاذکار الّا فی التلبیۃ والقنوت للامام الخ (مرقات جلد ۲ صفحہ ۱)

ترجمہ اذکار میں آہستہ پڑھنا سنّت ہے، لیکن تلبیہ اور قنوت (نازلہ) میں امام کے لئے جہر سے پڑھنا درست ہے الخ۔

پھر اس ذکر سے نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا کیا تعلق جو مشتہر صاحب کا اصل مدعیٰ ہے۔ دعوے اور دلیل میں مناسبت درکار ہے جو یہاں مفقود ہے۔

چھٹا حوالہ :۔ کہ امام سیوطیؒ اور شیخ عبدالحق دہلویؒ اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے ذکر بالجہر پر کتابیں لکھی ہیں (محصلہ)

الجواب :۔ اپنے موقع پر ذکر بالجہر بعض کے نزدیک جائز ہے لیکن نمازوں کے بعد اور مسجدوں میں اور پھر درود شریف بلند آواز سے پڑھنا اور اذانوں کے بعد گلے پھاڑ پھاڑ کر پڑھنا، اس پر ان بزرگوں نے کون سی کتاب تصنیف فرمائی ہے؟ اور اسی طرح فتاویٰ خیریہ میں جو یہ لکھا ہے کہ صوفیاء کرام مسجدوں میں بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے (محصلہ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو میدانِ فتویٰ میں فقہاء کرام کی بات کا اعتبار ہوتا

ہے، بڑے صوفیاء کی بات کوئی وقعت نہیں رکھتی، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ عملِ صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں معذور داریم (مکتوبات دفتر اول ص۲۳۵) ثانیاً اس سے اس کا ثبوت کیونکر ہوا کہ وہ نمازوں کے بعد پڑھتے تھے اور پھر درود شریف بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اس کے خلاف حضرت ابنِ مسعودؓ کا حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ مسجدوں میں حلقے باندھ کر اور بلند آواز سے درود نہیں پڑھتے تھے (محصلہ)

ساتواں حوالہ:۔ سُرخی یہ قائم کی ہے کہ "بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کی فضیلت" اور پھر آگے علامہ عبدالرحمٰن صفوریؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جب واعظ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الآیہ پڑھے تو سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھیں اور پھر آگے المورد العذب نامی ایک مجہول کتاب سے ایک عجیب و غریب افسانہ بھی درود شریف کے بارے میں نقل ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ امام نوویؒ نے کتاب اذکار میں خطیب بغدادیؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ (محصلہ)

بوب یہ عجیب منطق ہے، دعویٰ تو یہ ہے کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز ہے اور دلیل یہ ہے کہ جب واعظ یہ آیت پڑھے تو سامعین بلند آواز سے درود شریف پڑھیں! اور پھر صفوری وغیرہ کا فتویٰ حضرت ابن مسعودؓ کے فتویٰ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اور مطلق بعض وقت میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کے جواز سے اذانوں اور نمازوں کے بعد تقیید کے ساتھ پڑھنے کا ثبوت کہاں سے؟ [illegible] تو حضرت [illegible] کہ جب امام خطبہ میں ان اللہ وملائکتہ الآیۃ پڑھے تو سامعین زبان کو حرکت تک نہ دیں بلکہ دل میں درود شریف پڑھیں (شامیہ جلد ۱ صفحہ [illegible] و شرح وقایہ جلد ۱ صفحہ [illegible] و ہدایہ جلد ۱ صفحہ [illegible]) اگرچہ [illegible] شرح [illegible] حافظ ابن الہمام اور علامہ شامی اس موقع پر آہستہ پڑھنے کی بھی صراحت سے روایت نقل کرتے ہیں (مبسوط جلد ۲ صفحہ [illegible]، فتح القدیر جلد ۱ صفحہ [illegible] اور فتح الملہم جلد ۲ صفحہ [illegible]) لہٰذا یہ قول بھی [illegible] نہیں ہے۔

آٹھواں حوالہ: فتاویٰ خلافت کے نام ابن حجر [illegible] جلد [illegible] میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھو کہ
تم جہاں بھی ہو گے مجھے آواز پہنچ جائے گی (ملخصاً)

الجواب:- اس کی سند میں سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداء ہے اور سعید بن ابی ہلال کی سماعت ابو الدرداء سے ثابت نہیں ہے۔ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سعید بن ابی ہلال کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۹۵) اور حضرت ابو الدرداء کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی (کمال ص ۶۱۱) اس روایت سے ناظرین پر مسئلہ ثابت کرنا کہ وہ ... صحیح روایت سے ثابت ہے یہ دور دراز سے جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں آپ خود براہ راست نہیں سنتے۔ رہا یہ کہ روز جمعہ بکثرت درود شریف پڑھنے سے جہاں کہیں سے درود شریف پڑھتے ہو وہ سنتے یا پہنچ جاتے ہیں کا ثبوت اس سے کیسا؟ خلاصہ جو بات اس سے ثابت ہے اس کا انکار نہیں اور جس کا انکار ہے وہ ثابت نہیں

قولی حوالہ:- دلائل الخیرات ص ۔۔ کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل محبت کا درود میں خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں۔ (ملخصاً)

الجواب: یہ روایت بالکل بے اصل اور بے سند ہے گردو

محمد صادق صاحب میں ہمت اور غیرت ہے تو اس کی سند اور راویوں کی توثیق اور سند کا اتصال اور معتبر محدثین کرام سے اس کی بحوالہ تصحیح نقل کریں۔ دیدہ باید۔ چند بزرگوں کے حوالہ سے دلائل الخیرات کے مستند ثابت کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حدیث کی سند اور اس کی صحت درکار ہے۔

دسواں حوالہ:۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان مجھے سلام عرض کرتا ہے اللہ تعالےٰ میری رُوح کو عالمِ استغراق سے اس کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں مشکوٰۃ شریف (محصلہ)

الجواب:۔ اس کا بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ جب فرشتوں کے ذریعہ آپ تک درود شریف پہنچایا جاتا ہے تو اس وقت عالم استغراق سے متوجہ ہو کر آپ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ اس بات میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

گیارھواں حوالہ:۔ کہ مشکوٰۃ شریف ص۴۵۷ میں حدیث آتی ہے إِنِّی أَرَی مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ اس کا ترجمہ مولوی محمد صادق صاحب نے کیا ہے جو خالص تحریف ہے۔ یعنی جو غیب، دور کی چیز تم نہیں دیکھتے وہ میں دیکھتا ہوں اور جو

غیب و دُور کی بات تم نہیں سُنتے میں سُنتا ہُوں۔

الجواب:۔ غیب و دُور کے الفاظ مولوی صاحب کی خانہ ساز اختراع در ایجاد بندہ ہے۔ اس کا صحیح مطلب تو یہ ہے کہ مَیں چونکہ اللہ تعالےٰ کا نبی ہُوں، فرشتہ جو وحی لاتا ہے اور وحی سُناتا ہے اُسے مَیں دیکھتا بھی ہوں اور اس کا کلام سُنتا بھی ہُوں اور اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ احیاناً مجھے جو دکھ دے اور جو سُنا دے مَیں دیکھتا اور سُنتا ہُوں۔ نہ یہ ہر وقت ایسا ہوتا ہے اور نہ غیب و دُور اس سے مُراد ہے۔ کیونکہ یہ مطلب قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف ہے جو یقیناً باطل اور مردُود ہے۔

بارھواں حوالہ:۔ کہ علامہ یوسف نبہانیؒ اور شیخ محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ جب تُو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرے اور درود عرض کرے تو حیدر و ادب و تعظیم کی حالت اختیار کر، اس لئے کہ تحقیق آپ صلے اللہ علیہ وسلم تجھے دیکھتے اور تیرا کلام سُنتے ہیں کیونکہ آپ صفاتِ الٰہی سے متصف ہیں اور اللہ تعالےٰ کی ایک صفت یہ ہے: انا جلیس من ذکرنی۔ (سعادۃ الدارین ص۴۵۴ ومدارج النبوۃ جلد۲ ص۲۲) (محصلہ)

الجواب:۔ مولوی صاحب نے اس حوالہ میں نہایت شرمناک

دھوکہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ دجل اور تلبیس، فریب اور مکاری سے بچائے۔ مدارج النبوۃ کی اصل عبارت یہ ہے۔

نوع ثانی کہ تعلق معنوی است بجناب نبوی و آں نیز دو قسم است، اول دوام استحضار آں صورت بہیج امثال و اگر ہستی تو کہ بتحقیق دیدہ وقتی از اوقات در خواب و تو مشرف شدہ بدان پس استحضار کن صورتی را کہ دیدہ در منام و گر ندیدہ ہرگز و مشرف نشدہ بآں و ستقتح صورت ندیدی پس استحضار کن آں صفات موصوفہ را یعنی صفات را بیبنہا ذکر کن او را و درود بفرست بروے صلی اللہ علیہ وسلم و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو او را متادب بجلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ وی صلی اللہ علیہ وسلم می بیند و می شنود کلام ترا الخ۔

(مدارج النبوۃ، جلد ۲، صہ ۶۱۵)

حضرت شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ مرغوب یہ ہے کہ تجھے آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تو تو آپ کا ذکر کرتے وقت اور درود شریف پڑھتے وقت یہ تصور کر کہ گویا آپ حالت حیات میں تیرے پاس حاضر ہیں اور تو آپ کو ادب، احترام، تعظیم، ہیبت اور حیا کے ساتھ دیکھ رہا ہے اور یہ جان کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور تیرا کلام سن رہے ہیں الخ۔ یہ ساری عبارت جس میں "و بدانکہ" الخ کا جملہ بھی ہے۔ فقط گویا کے نیچے داخل ہے۔ مگر

مہتمم صاحب نے خداتعالیٰ کا خوف دل سے نکال کر لفظ "یا" اور حرف عطف
اڑا دیا ہے اور اس کی جگہ تحقیق کرتے دیکھتے ہیں کر دیا ہے۔ صد افسوس ہے اس
دیانت و تقویٰ پر اور لطف یہ ہے کہ اس شوخی پر تیز گرجتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

تیرھواں حوالہ: پھر آگے متعدد کتابوں کا حوالہ دیا ہے کہ الصلوٰۃ والسلام
علیک یارسول اللہ وغیرہ کے الفاظ سے درود شریف بزرگوں سے ثابت ہے
سیرت حلبیہ ص ۲، نسیم الریاض جلد ۳ ص ۳۰۰، غنیۃ الطالبین جلد ۱ ص ۲، اور حضرت شاہ
صاحب نے لکھا ہے کہ چودہ سو ولیوں نے ان کلمات سے فیض پایا ہے جلد اول ص ۲۰۵،
درج لباب۔ اور آخر میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی کتاب الشہاب
الثاقب ص ۶۵ کا حوالہ دیا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ درود شریف پڑھنا اگرچہ بصیغہ
خطاب و ندا کیوں نہ ہو مستحب ہے (ملخصاً)

الجواب: ہم اور ہمارے تمام اکابر الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
کو بطور درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ بھی فی الجملہ اور
مختصر طریقہ سے درود شریف کے الفاظ ہیں، ہاں البتہ حرف خطاب و ندا
سے حاضر و ناظر مراد لینا کفر ہے چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے تصریح کی
ہے کہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھ سکتا ہے مگر آپ کو حاضر و ناظر
نہ سمجھو ورنہ اسلام کی کفر ہوگا۔ اصل الفاظ یوں ہیں:۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بہت مختصر ہے گو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلّم کو حاضر وناظر نہ سمجھنا چاہیئے ورنہ اسلام کیا ہوگا کفر ہوگا بلکہ یوں سمجھئے نہ یہ پیغام فرشتے پہنچاتے ہیں بلفظہٖ (فیوض قاسمیہ ص۴۸) اور بریلوی حضرات کے مشہور مولوی جن کی کتاب پر ان کی بدعت کی عمارت کھڑی ہے مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں کہ جو کوئی کہتا ہے ؎

تمھارے نام پر قربان یا رسُول اللّٰہ　　فدا ہو تم پہ میری جان یا رسُول اللّٰہ

اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے۔ مُراد اس کی جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے کیا ضرور ہے کہ یُوں کہو یہ شخص تو خدا کی طرح حاضر وناظر جان کر پکارتا ہے۔ ہاں البتہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے وہ خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو، حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ (انوار ساطعہ ص۲۲۶)۔

اس سے معلوم ہُوا کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کو حاضر وناظر سمجھنا مولوی عبدالسمیع صاحب کے نزدیک بھی کفر وشرک ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ بلند آواز سے اذان کے بعد یا پہلے یا نمازوں کے بعد درُود شریف پڑھنے کے ثبوت میں کوئی صریح اور صحیح حوالہ موجود نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ٹھوس حوالے موجود ہیں جن میں بعض پیش کر دیئے گئے ہیں اہلِ بدعت عموماً اور مولوی محمد صادق صاحب خصُوصاً لوگوں کو دھوکہ

دیتے ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرات صحابۂ کرام رضا اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ دین اور سلف صالحین کے صحیح طریقہ کو چھوڑ کر نئی نئی بدعتیں نکالتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ تمام مسلمانوں کو سنت پر چلنے کی اور بدعت سے بچنے کی توفیق بخشے۔ (آمین ثم آمین)

ضمیمہ

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی ذکر بالجہر کی تفصیل کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ :-

وروی البیہقی فی کتاب شعب الایمان عن سعدؓ بن مالک مرفوعًا خیر الذکر[۱] الخفی وخیر الرزق ما یکفی وفی النهایة شرح الهدایة المستحب عندنا فی الاذکار الخفیة الا ما تعلق باعلانٖ مقصود کالاذان والتلبیة انتہیٰ وصرّح کثیر من الحنفیة منهم

امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں حضرت سعدؓ بن مالک کے طریق سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ اور مخفی طریقہ سے ہو اور بہتر رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے اور ہدایہ کی شرح نہایہ میں لکھا

---

[۱] یہ روایت علاوہ اس مذکور حوالہ کے جو پہلے گزر چکا ہے موارد الظمآن ص ۵۷۷ میں بھی ہے۔

صاحب الهداية ان الجهر بالذكر بدعة والاصل فيه الاخفاء و الحاصل ان الجهر وان كان جائزا لكن المفرط منه منهي عنه والسر افضل من الجهر الغير المفرط ايضا كيف والجهر المفرط يستلزم مفاسد منها ايقاظ النيام ومنها شغل قلوب المصلين وهو يفضي الى سهو ومنها ترك الخشوع عما ينبغي الى غير ذلك من المفاسد التي لا تحصى وان شئت زيادة التفصيل فى هذا فارجع الى رسالتي سباحة الفكر بالجهر بالذكر انتهى (مجموعہ فتاوی جلد ۲ ص ۳۳ طبع لکھنؤ)

ہے کہ ہمارے (یعنی حنفیوں کے) نزدیک مستحب یہ ہے کہ اذکار خفیہ اور آہستہ ہوں مگر ہاں جہاں ان کے جہر سے کوئی مقصود وابستہ ہو، مثلاً اذان اور حج میں تلبیہ، اور بہت سے احناف نے جن میں صاحبِ ہدایہ بھی شامل ہیں اس کی تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اصل ذکر میں یہ ہے کہ آہستہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ جہر اگرچہ جائز ہے لیکن حد سے زیادہ جہر سے ذکر کرنا ممنوع ہے اور آہستہ ذکر جہر غیر مفرط سے بھی بہتر ہے۔ کیوں بہتر نہ ہو جبکہ جہر مفرط کئی خرابیوں کو مستلزم ہے ایک یہ کہ سونے والوں کی نیند میں خلل پڑتا ہے۔

دوسرا یہ کہ نمازیوں کے دِل
مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ نماز
میں بھول جاتے ہیں اور تیسرے
یہ کہ اخلاص اور خشوع اس سے
ترک ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ
اور بے شمار خرابیاں ہیں اگر اس
میں زیادہ تفصیل چاہتے ہو تو
میرے رسالہ "سباحۃ الفکر بالجہر بالذکر"
کی طرف مراجعت کرو۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ جہر مفرط کے تو کسی طرح قائل نہیں ہیں اور آجکل لاؤڈ سپیکر پہ گلے پھاڑ پھاڑ کر جو ذکر کیا جاتا ہے وہ جہر مُفرط نہیں تو اور کیا ہے۔ اور مولانا نے یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ جہر غیر مُفرط سے بھی ذکر خفی افضل ہے اور پھر جہر مفرط کے کئی مفاسد اور خرابیاں بھی بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک نمازیوں کی نماز میں خلل ہے اور کوئی منصف مزاج آدمی اِس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آج کل اہلِ بدعت اپنی مسجدوں

میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعے جو صلوٰۃ و سلام اور بزعمِ خود نعتیہ اور عشقیہ کلام پڑھتے ہیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ دوسری مسجدوں میں نمازیوں کی نماز میں خلل پڑتا ہے بلکہ گھروں اور محلّوں میں عورتوں کی نمازوں میں بھی خلل پیدا ہوتا ہے۔ الغرض حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کو اپنا ہمنوا سمجھنا جیساکہ مشتہر صاحب نے کہا ہے، ایک بے بنیاد امر ہے۔ اللہ تعالےٰ ہر ایک کو حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔